

وہیں دو چار پیالے چلتے بیچ لوگے۔ اب چائے بارہوں پہنچتی ہے، رات کو لیٹو گے تو عورت پاؤں دبائے گی۔ ساری تھکاوٹ مٹ جائے گی۔“

یہ بات گوہر کے دل نشین ہو گئی۔ جی اچاٹ ہو گیا۔ اب تو وہ جھینا کو لا کر ہی رہے گا۔ آلو جوٹھے پر چڑھے رہ گئے اور اس نے گھر جانے کی تیاری کر دی۔ مگر یاد آیا کہ ہولی آرہی ہے، اس لئے ہولی کا سامان بھی لیتا چلے۔ بخیلوں میں خوشی کے موقعوں پر دل کھول کر خرچ کرنے کی جو ایک عادت ہوتی ہے اس نے گوہر کو بھی اکسایا۔ آخر اسی دن کے لڑ تو کوڑی کوڑی جوڑ رہا تھا۔ وہ ماں، بہنوں اور جھینا سب کے لئے ایک ایک جوڑ ساڑی لے جائے گا۔ ہواری کے لئے ایک دھونی اور ایک چادر۔ سونا کے لئے ایک شیشی تیل لے جائے گا اور ایک جوڑ چپاں، روپا کے لئے چا پانی گردیاں اور جھینا کے لئے ایک پٹاری جس میں تیل، سیندور اور آئینہ ہوگا۔ بچے کے لئے ٹوپ اور فرائنگ بازار میں تیار ملتا ہے۔ اس نے روپے نکالے اور بازار چلا۔ دو پہر تک سب چیزیں آگئیں۔ بستر بھی بندھ گیا۔ محلے والوں کو خبر ہو گئی کہ گوہر گھر جا رہا ہے۔ کئی مرد عورت اسے رخصت کر کے آئے۔ گوہر نے انہیں اپنا گھر سپرد کرتے ہوئے کہا: تمہیں لوگوں پر گھر چھوڑے جاتا ہوں۔ بھگوان نے چاہا تو ہولی کے دوسرے دن آجاؤں گا۔

ایک نوجوان عورت نے مسکرا کر کہا: مہریا کو لئے بنانا آنا نہیں گھر میں نہ گھسنے پاؤ گے۔“

دوسری زیادہ عمر والی نے نصیحت کی: ”ہاں اور کیا، بہت دنوں تو

جو لہا پھونک چکے ٹھکانے سے روٹی تولے گی۔

گوبر نے سب کو رام رام "کیا۔ ہندو بھی تھے، مسلمان بھی، سب ہی میں دوستانہ تھا۔ سب ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک تھے روزہ رکھنے والے روزہ رکھتے تھے۔ ایکادشی رکھنے والے ایکادشی۔ کبھی کبھی مذاق میں ایک دوسرے پر چھینٹے بھی اڑا لیتے تھے۔ گوبرالہ دین کی نماز کو اٹھا بیٹھی "کہتا تو الہ دین پیل کے بچے والے سینکڑوں چھوٹی بڑی شیو کی مورتوں کو شکھرے" بناتا، مگر فرقہ دارانہ تعصب کا نام بھی نہ تھا۔ گوبر گھر جا رہا ہے اور سب منہی خوشی سے رخصت کرنا چاہتے ہیں۔

اتنے میں بھورے یکڑے کر آگیا۔ ابھی دن بھر کا گشت لگا کر آیا تھا۔ خبر ملی کہ گوبر گھر جا رہا ہے، ویسے ہی کہہ اُدھر پھیر دیا۔ گھوڑے نے احتجاج کیا۔ اسے کئی جا بک لگائے۔ گوبر نے یکڑے پر سامان رکھا۔ یکڑے بڑھا بھیجنے والے گلی کے نوڑ تک پہنچانے گئے، تب گوبر نے سب کو رام رام "کیا اور یکڑے پر بیٹھ گیا۔ سڑک پر یکڑے سرپٹ دوڑا جا رہا تھا، گوبر گھر جانے کی خوشی میں مست تھا، بھورے اسے گھر پہنچانے کی خوشی میں مست تھا۔ اور گھوڑا تھا پانی دار، اڑا جلا جا رہا تھا۔ بات کی بات میں اسٹین آگیا۔

گوبر نے خوش ہو کر ایک روپیہ کمر سے نکال کر بھورے کی طرف بڑھانے ہوئے کہا: "لو، گھر والے کے لئے مٹھائی لیتے جانا۔"

بھورے نے تشکرانہ حقارت سے اس کی طرف دیکھا: تم مجھے گیر (غیر) سمجھتے ہو بیٹا؟ ایک دن یکڑے پر بیٹھ گئے تو میں تم سے انعام

لوں گا! جہاں تمہارا پسینہ گرے وہاں اپنا لہو گرنے کو تیار ہوں۔ اتنا
 جھوٹا دل نہیں پایا ہے اور لے بھی لوں تو گھر والی مجھے جیتا چھوڑیگی؟"
 گوہر نے پھر کچھ نہ کہا، شرمندہ ہو کر اپنا اسباب اتارا
 اور ٹکٹ لینے چلا۔



بچاگن اپنی جھولی میں نئی زندگی کی پونجی لے کر آ پہنچا تھا۔ آم کے پیڑ
دونوں ہاتھوں سے بور کی مہک بکھیر رہے تھے اور کوئل آم کی ڈالیوں میں چھپی
ہوئی اپنے راگوں کو خفیہ خیرات تقسیم کر رہی تھی۔

گانوں میں اکیکھ کی بوائی شروع ہو گئی تھی۔ ابھی دھوپ نہیں نکلی مگر
ہوڑی کھیت میں پہنچ گیا ہے۔ دھنیا، سونا، روپایوں تلیا سے اکیکھ
کے بھیکے ہوئے گٹھے نکال نکال کر کھیت میں لا رہی ہیں اور ہوڑی گنڈا سے
سے اکیکھ کے ٹکڑے کر رہا ہے۔ اب وہ داتا دین کی مزدوری کرنے لگا ہے
کسان نہیں، مزدور ہے۔ داتا دین سے اب اس کا زبردست اور جھان
کانا تا نہیں، بلکہ مالک اور مزدور کا رشتہ ہے۔

داتا دین نے اگر ڈانٹا: "ہاتھ اور پھرتی سے چلاؤ ہوڑی! اس طرح
تو تم دن بھر میں نہ کاٹ سکو گے۔"

ہوڑی نے زخم کھائے ہوئے تکبر کے ساتھ کہا: "چلا ہی تو رہا ہوں
مہراج، بیٹھا تو نہیں ہوں۔"

داتا دین نے مزدوروں سے کس کر کام لیتے تھے۔ اسی لٹو کوئی مزدور
ان کے ہاں ٹھہرتا نہ تھا۔ ہوڑی ان کے مزاج سے واقف تھا مگر جانتا کہاں؟
پنڈت اس کے سامنے کھڑے ہو کر بولے: "چلانے چلانے میں دپرک
فرق ہے۔ ایک چلانا وہ ہے کہ گھڑی بھر میں کام تمام، دوسرا چلانا وہ ہے
کہ دن بھر میں بھی ایک بوجھ نہ کٹے۔"

ہوری نے زہر کا گھونٹ پی کر زیادہ تیزی سے ہاتھ جلانا شروع کیا۔ اور دوسرے ہمینوں سے اسے پیٹ بھر کھانا نہ ملتا تھا۔ عموماً ایک وقت تو جربن ہی پر کھٹا تھا۔ اور دوسرے وقت بھی کبھی آدھے پیٹ کھانا ملا، کبھی خافہ ہو گیا۔ کتنا ہی چاہتا تھا کہ ہاتھ اور جلد جلد اٹھے، مگر ہاتھ جواب دے رہا تھا۔ اس پر دانا دین سر پر سوار تھے۔ لمحہ بھر دم لینے پاتا تو تازہ ہو جاتا مگر دم کیسے لے؟ جھڑکیاں پڑنے کا ڈر تھا۔

دھینا اور دونوں لڑکیاں اکیہ کے گھٹے لئے بھگی ساڑیوں سے لت پت، کچڑ میں سنی ہوئی آئیں اور گھٹے ٹپک کر ذرا ستانے لگیں کہ دانا دین نے ڈانٹ بتائی۔ ”یہاں تما سا (تماشا) کیا دیکھی ہے دھینا، جا اور اپنا کام کر۔ پیسے سینت میں نہیں آتے۔ پہر بھر میں تو ایک گٹھالائی ہے، اس حساب سے تو دن بھر میں اوکھ نہ ڈھل پائے گی۔“

دھینا نے توری بدل کر: کیا تنک دم بھی نہ لینے دو گے مہراج؟ ہم بھی تو آدمی ہیں۔ تمھاری مجوری (مزدوری) کرنے سے بیل تو نہیں ہو گئے۔ جرا (ذرا) کھو پڑی پر ایک گٹھالاد کر لاؤ تو پتہ چلے۔“

دانا دین بگڑا اٹھے۔ ”پیسے دیتے ہیں کام کرنے کے لئے، دم لینے کے لئے نہیں۔ دم لینا ہے تو گھر جا کر دم لو۔“

دھینا کچھ کہنے ہی جا رہی تھی کہ توری نے ڈانٹا۔ ”تو جاتی کیوں نہیں دھینا، کیوں جھٹ کر رہی ہو؟“

دھینا نے بندھنے کو اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”جا تو رہی ہوں، پر پھلتے ہوئے بیل کو ادگی (چابک) نہ لگانا چاہیے۔“

دانا دین نے سرخ آنکھیں نکال کر کہا۔ ”معلوم ہوتا ہے کہ ابھی مجا ج

(مزاج) ٹھنڈا نہیں ہوا، تب ہی داس نے داسے کو ترستی ہو۔
 دھنیا بھلا کیوں چپ رہنے لگی، بولی: تمہارے دوارے پر بھیک
 مانگنے تو نہیں جاتی؟“

دانا دین نے تیز بچے میں کہا: ”اگر یہی حال ہی تو بھیک بھی مانگوں گی۔“
 دھنیا کے پاس جواب تیار تھا مگر سوتا اسے کھینچ کر لیا کی طرف سے
 گئی ورنہ بات بڑھ جاتی۔ لیکن آواز کی پہنچ کے باہر جا کر اس نے دل کی بھڑاس
 نکالی: ”بھیک مانگوں تم جو بھنگوں کی جات (ذات) ہو، ہم تو مجور (مزدور) ٹھیکرے
 جہاں کام کریں گے وہیں چار پیسے پائیں گے۔“
 سوتا نے حقارت سے کہا: ”اٹاں اجانے بھی دو۔ تم تو بھکت (دقت)
 نہیں دیکھتیں، بات بات پر لڑنے لگ جاتی ہو۔“

ہو رہی پاگلوں کی طرح سر سے اوپر گنڈا سہ اٹھا اٹھا کر اکیہ کے ٹکڑے
 ڈھیر کرتا جاتا تھا۔ اس کے اندر جیسے آگ سی لگی ہوئی تھی۔ اس میں غیر قدرتی
 طاقت آگئی تھی۔ اس میں جو پستہ پست سے بہتا ہوا پانی تھا وہ اس وقت
 گویا بھاپ بن کر اس کو مشین کی سی کورانہ طاقت دے رہا تھا۔ اس کی آنکھوں
 میں اندھیرا چھانے لگا۔ سر جھکانے لگا۔ پھر اس کے ہاتھ مشین کی رفتار سے
 بلا ٹھکے اور بلا رکے اٹھ رہے تھے۔ اس کے بدن سے پسینہ ٹپک رہا تھا،
 منہ سے جھاگ نکل رہا تھا اور سر میں دھماکے کی آواز ہو رہی تھی، مگر اس پر
 جیسے کوئی بھوت سوار ہو گیا ہو۔

دقت اس کی آنکھوں میں بالکل اندھیرا چھا گیا۔ معلوم ہوا کہ وہ زمین میں
 دھنسا جا رہا ہے۔ اس نے سینھنے کی کوشش میں خالی ہاتھ پھیلا دئے اور یہوش
 ہو گیا۔ گنڈا سہ ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ اوندھے منہ زمین پر گر پڑا۔ ایسوقت

دھینا ایکھ کھٹھالے آئی، دیکھا تو کئی آدمی ہوڑی کو گھیرے کھڑے ہیں۔ ایک ہوا
 داتا دین سے کہہ رہا تھا: "مالک! تمہیں ایسی بات نہ کہنی چاہیے جو آدمی کو
 لگ جائے۔ پانی مرنے ہی مرنے تو مرے گا۔"

دھینا ایکھ کا گٹھا پٹک کر پاگلوں کی طرح دوڑی ہوئی ہوڑی کے
 پاس گئی اور اس کا سراپنی جانگھ پر رکھ کر زور زور سے ردنے چلانے لگی۔
 "تم مجھے چھوڑ کر کہاں جاتے ہو؟ اری سونا، دوڑ کر پانی لا اور جا کر سوئیا
 سے کہہ دے کہ دادا بے حال ہیں۔ اے رام! اب میں کہاں جاؤں۔ اب
 کھل کی ہو کر ہوں گی؟ کون مجھے دھینا کہہ کر پکارے گا۔۔۔۔۔؟"

لالہ پٹیوڑی بھاگے ہوئے آئے اور محبت بھری سختی سے بوئے
 کیا کرتی ہے دھینا، ہوش سنبھال! ہوڑی کو کچھ نہیں ہوا ہے۔ گرمی سی بیہوش
 ہو گئے ہیں۔ ابھی ہوش آیا جاتا ہو۔ دل اتنا کچا کرے گی تو کیسے کام چلے گا؟
 دھینا نے پٹیوڑی کے پیر پکڑ لئے اور روٹی ہوئی ہوئی: "کیا کروں
 لالہ جی نہیں مانتا۔ بھگوان نے سب کچھ ہر لیا۔ میں صبر کر گئی۔ اب دھیرج نہیں
 ہوتا مائے میرا میرا!"

سونا پانی لائی۔ پٹیوڑی نے ہوڑی کے منہ پر پانی کے چھینٹے دئے۔
 کئی آدمی اپنے اپنے انگو چھوں سے ہوا دے رہے تھے۔ ہوڑی کا بدن سرد پڑ گیا تھا
 پٹیوڑی کو بھی تشویش ہوئی، مگر دھینا کو وہ برابر دلا سادے جاتے تھے۔

دھینا نے بے صبری سے کہا: "ایسا کبھی نہیں ہوا تھا لالہ، کبھی نہیں!"
 پٹیوڑی نے پوچھا: "رات کچھ کھایا تھا؟"

دھینا بولی: "ہاں روٹیاں بنائی تھیں، پر آج کل ہمارے اوپر جو بیت
 رہی ہو وہ کیا تم سے چھپا ہے؟ ہمیںوں سے پیٹ بھر روٹی نہیں نفیس ہوئی گئی"

سمجھاتی ہوں کہ جان رکھ کر کام کرو لیکن آرام تو ہمارے بھاگ میں لکھا ہی نہیں ہے۔“
دھنیا ہوری نے آنکلیں کھول دیں اور اڑتی ہوئی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔

دھنیا جیسے جی اٹھی۔ بے قرار ہو کر اس کے گلے سے پیٹ کر بولی: اب
کیسا جی ہے تمہارا؟ میری تو جان نہوں (ناخونوں) میں آگئی تھی۔“
ہوری نے کمر در آداز میں کہا: اچھا ہوں۔ نہ جانے کیسا جی ہو گیا تھا۔“
دھنیا نے جنت بھرے شکوے سے کہا: دینہ (برن) میں دم تو ہی نہیں
اور کام کرتے ہو جان ہوم کر! لڑکوں کا بھاگ تھا کہ نچ گئے، انہیں تو تم لے ہی ڈوبے
تھے۔“

پیشوری نے ہنس کر کہا: دھنیا تو رو پیٹا ہی تھی۔“

ہوری نے بے صبری سے پوچھا: بچہ تو رو رہی تھی دھنیا؟“
دھنیا نے پیشوری کو پیچھے ڈھکیں کر کہا: انہیں بکنے دو تم۔ بوجھو کہ یہ
کاگدا (کاغذ) چھوڑ کر گھر سے دوڑے آئے تھے۔“
پیشوری نے چڑھایا: تمہیں ہیرا ہیرا کہہ کر رہتی تھی۔ اب لاج کے
مارے مکتی ہے۔ چھاتی پیٹ رہی تھی۔“

ہوری نے دھنیا کو آنسو بھری آنکھوں سے دیکھ کر کہا: پگلی ہو اور کیا!
اب نہ جانے کون سا سکھ دیکھنے کے لئے مجھے جلائے رکھنا چاہتی ہے۔“
دوا آدمی ہوری کو سہارا دے کر گھر لے گئے اور چار بائی پرٹا دیا۔ دانا دین
تو کڑھ رہے تھے کہ بوائی میں دیر ہوئی جاتی ہے، مگر دانا دین اتنا بے رحم نہیں تھا
وہ دوڑ کر گھر سے گرم دودھ لایا اور ایک نشی میں گلاب کا عرق بھی۔ دودھ پی کر
ہوری میں جان سی آگئی۔

اسی وقت گوبر ایک مزدور کے سر پر اپنا سامان دے ہوئے آتا دکھائی دیا۔

گانوں کے کتے پہلے تو بھونکتے ہوئے اس کی طرف دوڑے، پھر دم ہلانے لگے۔ روپانے کہا: ”بھیا آئے، بھیا آئے“ اور تالیاں بجاتی ہوئی دوڑی۔ سونا بھی دو تین قدم آگے بڑھی مگر اپنی خوشی کو ضبط کر گئی۔ ایک سال میں اس کا شباب کچھ اور شرمیلا ہو گیا تھا۔ جھنیا بھی گھونٹ نکالے دروازے پر کھڑی ہو گئی۔

گوبر نے والدین کے پیر چھوئے، اور روپا کو گود میں اٹھا کر پیار کیا۔ دھنیا نے اسے ایس دی اور اس کا سراپنے سینے سے لگا کر گویا اپنے ماں ہونے کا صلہ پا گئی۔ اس کا دل غرور سے اٹھ اڑتا تھا۔ آج تو وہ رانی ہے۔ اس پٹھے حال میں بھی رانی ہے! کوئی اس کا منہ دیکھے، اس کی آنکھیں دیکھے، اس کا دل دیکھے، اس کی رفتار دیکھے! رانی بھی لجا جائے گی۔ گوبر کتنا بڑا ہو گیا ہے اور پہن اوڑھ کر کیسا بھلا آدمی سا لگتا ہے۔ دھنیا کے دل میں کبھی بدشگونی کا اندیشہ نہ ہوا تھا اس کا دل کہتا تھا کہ گوبر خیریت سے ہے اور خوش ہے۔ آج اسے آنکھوں دیکھ کر گویا اس کی زندگی کی خاک میں گم شدہ جواہر مل گیا۔ مگر ہوری نے منہ پھیر لیا تھا۔

گوبر نے پوچھا: ”دادا کو کیا ہوا ہے، اماں!“
دھنیا گھر کا حال سنا کر اسے رنجیدہ نہ کرنا چاہتی تھی، بولی: ”کچھ نہیں ہے بیٹا، ذرا سر میں درد ہے، چلو، کپڑے اتار دو، ہاتھ منہ دھوؤ۔ کہاں تھے تم اتنے دن؟ بھلا اس طرح کوئی گھر سے بھاگتا ہے؟ اور کبھی ایک چٹھی تک نہ بھیجی۔ آج سال بھر کے پیچھے جا کے سدھ لی ہے۔ تمہاری راہ دیکھتے دیکھتے آنکھیں پھوٹ گئیں۔ ہی آسرا لگا رہتا تھا کہ کب وہ دن آوے گا اور کب تمہیں دیکھوں گی۔ کوئی

کہنا تھا کہ مرنے بھاگ گیا اور کوئی ڈمڑاٹو بتاتا تھا۔ میری تو سن کر جان سوکھی جاتی تھی۔ کہاں رہی اتنے دن؟“
 گوبر نے شرماتے ہوئے کہا: ”کہیں دور نہیں گیا تھا اماں، یہیں لکھنؤ میں تو تھا۔“

”اور اتنے پاس ہو کر بھی کبھی جھٹی نہ لکھی۔“
 ادھر سونا اور روپا اندر گوبر کا سامان کھول کر چیزوں کو آپس میں بانٹنے لگی تھیں۔ مگر جھینا دور کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر آج رکھائی کا شوخ رنگ جھلک رہا ہی۔ گوبر نے اس کے ساتھ جو برتاؤ کیا ہی آج وہ اس کا بدلہ لے گی اسامی کو دیکھ کر مہاجن اس سے وہ روپے وصول کرنے کو بھی بے چین ہو رہا ہے جو اس نے بٹے کھاتے میں ڈال دئے تھے۔ بچہ ان چیزوں کی طرف لپک رہا تھا اور چاہتا تھا کہ سب کی سب ایک ساتھ منہ میں بھر لے۔ مگر جھینا اسے گود سے نہ اتارتی تھی۔

سونا بولی: ”بھیا تمہارے لئے آئینہ اور کنگھی لائے ہیں، بھابی!“
 جھینا نے رکھائی سے کہا: ”مجھے آئینہ کنگھی نہ چاہیئے، اپنے پاس رکھے رہیں۔“

روپا نے بچے کی چمکدار ٹوپی نکالی: ”ادھو! یہ تو جنو کی ٹوپی ہی!“ اور اسے بچے کے سر پر رکھ دیا۔
 جھینا نے ٹوپی اتار کر پھینک دی اور یکایک گوبر کو اندر آتے دیکھ کر وہ بچے کو لئے ہوئے اپنی کوٹھری میں چلی گئی۔

گوبر نے دیکھا کہ سارا سامان کھلا پڑا ہے۔ اس کا جی تو چاہتا ہی کہ پہلے جھینا سے مل کر اپنا قصور معاف کرائے مگر اندر جانے کی ہمت نہیں پڑتی۔

دہیں بیٹھ گیا۔ اور چیزیں نکال نکال کر ہر ایک کو دینے لگا۔ مگر وہ اس لئے پھول گئی کہ اس کے لئے چل کیوں نہیں آئے، اور سونا اسے چڑھانے لگی۔ تو کیا کرے گی چل لے کر؟ اپنی گڑیا کھیل۔ ہم تو تیری گڑیا دیکھ کر نہیں روتے، پھر تو میرا چل دیکھ کر کیوں روتی ہے؟“

ٹھٹھائی بانٹنے کی ذمہ داری دھینا نے اپنے اوپر لی۔ اتنے دنوں کے بعد رٹا کا کسل سے گھرا آیا ہے۔ وہ گائوں بھر میں باہن بنائے گی۔ ایک گلاب جامن روپا کے لئے اونٹ کے منہ میں زیرے کی طرح تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ہانڈی اس کے سامنے رکھ دی جائے اور وہ کوہ کو دوڑ کر کھائے۔

اب صندوق کھلا اور اس میں سے ساڑیاں نکلتے لگیں۔ سب ہی کنارے تھیں جیسی پیشوری لالہ کے گھر میں پہنی جاتی ہیں۔ مگر ہیں بڑی ہلکی۔ ایسی باریک ساڑیاں بھلا کتنے دن چلیں گی؟ بڑے آدمی چاہے جتنی باریک ساڑیاں پہنیں، ان کی عورتوں کو بیٹھنے اور سونے کے سوا اور کون کام ہی۔ یہاں تو کھیت کھلیاں سب ہی کچھ ہی اچھا، ہو رہی کے لئے دھوتی کے سوا ایک دوپٹہ بھی ہے۔ دھینا خوش ہو کر بولی۔ ”یہ تم نے بڑا اچھا کیا میاں۔ ان کا دوپٹہ بالکل تازہ ہو گیا تھا۔“

گوہر کو اتنی دیر میں گھر کی حالت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ دھینا کی ساڑی میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔ سونائی ساڑی سر پر چھپی ہوئی تھی اور اس میں سربال دکھائی دے رہے تھے۔ روپا کی دھوتی میں چاروں طرف جھالرسی لٹک رہی تھی سب ہی کے چہرے روکھے سوکھے تھے، چکنا چٹ کا بدن پر کہیں نام نہ تھا۔ جدھر دیکھو، افلاس کا دور دورہ تھا۔

لڑکیاں تو ساڑیوں میں مگن تھیں، دھینا کو لڑکے کے لئے کھانے کی

فکر ہوئی گھر میں تھوڑا سا جو کا آٹا شام کے لئے رکھا ہوا تھا۔ اس وقت تو چربن پر گزر ہوتا تھا، مگر گوبراب وہ گوبر تھوڑے ہی ہے۔ اس سے جو کا آٹا کھایا بھی جائے گا پر دیں میں نہ جانے کیا کیا کھاتا پیتا رہا ہوگا۔ جا کر دلاری کی دوکان سے گیہوں کا آٹا، چاول اور گھی ادھار لائی۔ ادھر مہینوں سے دلاری ایک پیسے کی چیز بھی ادھار نہ دیتی تھی مگر آج اس نے ایک بار بھی نہ پوچھا کہ پیسے کب دے گی۔

اس نے پوچھا: گوبر تو کھوب (خوب) کسا کر آیا ہے نا؟
دھنیا بولی: ابھی تو کچھ نہیں کھلا دیدی۔ ابھی میں نے بھی کچھ کھنا ٹھیک نہیں سمجھا۔ ہاں سب کے لئے کنارے دار ساڑیاں لایا ہی۔ تمہاری اسیں سی اچھی طرح لوٹ آیا، میرے لئے تو یہی بہت ہی۔“

دلاری نے دعا دی: بھگوان کریں وہ جہاں رہے کُل سے رہی ہاں باپ کو ادھر کیا چاہیے؟ لڑکا کچھ دار ہی، اور لڑکوں کی طرح اڑاؤ نہیں ہے۔ ہماری روپے ابھی نہ ملیں تو بیاج تو دیدو۔ دن دن بو بھہر بڑھ ہی تو رہا ہی۔

ادھر سونا چنکو اس کا فراک اور ٹوپ اور جوتا پہنا کر راہ بنا رہی تھی۔ بچہ ان چیزوں کو پہننے سے زیادہ ہاتھ میں لے کر کھیلنا اور کھانا پسند کرتا تھا، اندر گوبر اور دھنیا میں روٹھنے اور منانے کا ناٹک ہو رہا تھا۔

دھنیا نے حقارت سے دیکھ کر کہا: ”مجھے لا کر یہاں بیٹھادیا، آپ پر دیں کی راہ لی۔ پھر نہ کھوچ نہ کھرب (خبر) کہ مرنی ہے یا جیتی ہو۔ سال بھر بعد اب جا کر تمہاری نیند ٹوٹی ہو۔ کتنے بڑے کٹی ہو تم۔ میں تو سو جیتی ہوں کہ میرے بچے بچے آہی ہو گئے اور آپ اڑے تو سال بھر کے بچے لوٹے۔ مردوں کا بسو اس ہی کیا کہیں اور تاک لی ہو گی۔ سوچا ہو گا کہ ایک گھر کے لئے ہے، ایک باہر کے لئے بھی ہو جائے۔“

گوہر نے صفائی دی: ”جھینا، میں بھگوان کو ساکھی دیکر کہتا ہوں جو میں نے کبھی کسی کی طرف تاکا بھی ہو۔ لاج اور ڈر کے مارے گھر سے بھاگتا تو، مگر نری یاد ایک منٹ کے لئے بھی من سے نہ اترتی تھی۔ اب تو میں نے طے کر لیا ہے کہ تجھے بھی لیتا جاؤں گا۔ اسی لئے آیا ہوں۔ تیرے گھر والے تو بہت بگڑے ہوں گے۔“

”دادا تو میری جان ہی لینے پر اتار دیتے تھے۔“

”سچ!“

تینوں آدمی یہاں چڑھ آئے تھے۔ پر اماں نے ایسی پھٹکار بتائی کہ منہ لے کر رہ گئے۔ ہاں ہمارے دونوں بیل کھول لے گئے۔“

”اتنی بڑی جبر دستی (زبردستی) اور دادا کچھ بولے نہیں؟“

”دادا اکیلے کس کس سے لڑتے؟ گاؤں کے لوگ تو نہیں لے جانے دیتے تھے پر دادا ہی اپنی بھلمنی میں آگئے تو اور لوگ کیا کرتے؟“

”تو آج کل کھیتی باڑی کیسے ہو رہی ہے؟“

”کھیتی باڑی سب ٹوٹ گئی۔ تھوڑی سی پنڈت مہراج کے ساجھے میں

ہے۔ ادکھ بولہ ہی نہیں گئی۔“

گوہر کی کمر میں اس وقت دوسرو پئے تھے۔ اس کی گرمیوں ہی کم نہ تھی۔ یہ حال سن کر تو اس کے بدن میں آگ ہی لگ گئی بولا: ”تو پھر پہلے بس ان ہی سے جا کر سمجھتا ہوں۔ ان کی یہ مجال کہ میرے دوارے پر سے بیل کھول لے جائیں! یہ ڈاکہ ہو، کھلا ہوا ڈاکہ! تین تین سال کو چلے جائیں گے تینوں یوں نہ دیں گے تو عدالت سے لوں گا۔ سارا گھنڈ توڑ دوں گا۔“

وہ اسی جوش میں چل پڑا تھا کہ جھینا نے بکڑ لیا اور بولی ”تو چلے جانا، ابھی ایسی جلدی کا ہے کی ہے؟ کچھ آرام کر لو، کچھ کھاپی لو۔ سارا دن تو بڑا ہی“

یہاں بڑی بڑی پنچایت ہوئی۔ پنچایت نے اسی روپے تادان لگایا اور تیس من انا
ادپر سے۔ اسی سے تو ادربتا ہی آگئی۔

مونا بچے کو کپڑے اور جوتے پہنا کر لائی۔ کپڑے پہن کر وہ بیسے سچ
پنج راجہ ہو گیا تھا۔ گوبر نے اسے گود میں لے لیا۔ مگر اس وقت بچے کے پیار میں
اسے خوشی نہ ہوئی۔ اس کا خون ابل اٹھا اور کمر کے رد پے آنچ کو زیادہ تیز کر دیا
تھے۔ وہ ایک ایک سے سمجھے گا۔ بچوں کو اس پر تادان لگانے کا حکم (حق)
ہی کیا ہے؟ کون ہوتا ہے کوئی اس کے بچ میں بولنے والا؟ اس نے ایک
عورت رکھ لی تو بچوں کے باپ کا کیا بگڑا؟ اگر اسی بات پر وہ پھوجداری
(فوجداری) میں دعویٰ کرے تو لوگوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پڑ جائیں۔ ساری
گرتی تہیں نہں ہو گئی۔ کیا سمجھ لیا ہے اسے ان لوگوں نے؟
بچہ اس کی گود میں ذرا سا مسکرایا، پھر زور سے یہ صرخا اٹھا جسے کوئی
ڈراؤنی چیز دیکھ لی ہو۔

جھینا نے بچے کو اس کی گود سے لے لیا اور بولی۔ اب جا کر نہا دھو لو۔
کس سوچ میں پڑ گئے؟ یہاں سب سے لڑنے لگو تو ایک دن نباہ نہو۔ جس
کے پاس پیسہ ہے وہی بڑا آدمی ہے، وہی بھلا آدمی ہے۔ پیسہ نہ ہو تو اس
پر سب ہی رعب جاتے ہیں۔

میرا گدھا بن تھا کہ گھر سے بھاگا، نہیں تو دیکھتا کہ کیسے کوئی ایک
دھیللا ڈنڈ لیتا ہے۔

”شہزادی ہوا کھا آئے تب یہ باتیں سو بھنے لگی ہیں، نہیں گھر سے بھاگے
ہی کیوں؟“

یہ جی چاہتا ہے کہ لاٹھی اٹھاؤں اور بیٹھوڑی، داتا دین، جھنگری،

سب سالوں کو مار کر گرا دوں اور ان کے پیٹ سے روپیے نکال لوں۔“
 روپیے بہت گرمی چڑھی ہوئی ہی سابت (شاید) لاؤ نکالو، دیکھوں تو
 کہ اتنے دن میں کیا کما لاتے ہو۔“

اس نے گوبر کی کمر میں ہاتھ لگایا۔ گوبر کھڑا ہو کر بولا: ابھی کیا کمایا؟
 ہاں اب تم چلوگی تو کماؤں گا۔ سال بھر تو سہرے کے رنگ ڈھنگ پہچانتے ہی
 میں لگ گئے۔“

”اماں جانے دیں گی تب تو۔“

”اماں کیوں نہ جانے دیں گی، ان سے مطلب؟“

”دادہ، میں ان کی راجی (راضی) بنا کہیں نہ جاؤں گی۔ تم تو چھوڑ کر چلتے
 بنے اور میرا کون تھا یہاں؟ وہ اگر گھر میں نہ تھینے دیتیں تو میں کہاں جاتی؟ جب
 تک جیوں گی ان کا حسن جگاؤں گی اور تم بھی کیا پردیس ہی کرتے رہو گے؟“
 اور یہاں بیٹھ کر کیا کروں گا؟ کماؤ اور بھرو، اس کے سوا سنے یہاں اور کیا
 دھرا ہے؟ تھوڑی سی سمجھ ہو اور آدمی کام کرنے سے نہ ڈرے تو وہاں بھوکوں
 نہیں مر سکتا۔ یہاں تو سمجھ کچھ کام ہی نہیں کرتی۔ دادا کیوں مجھ سے منہ پھلاؤ
 ہوئے ہیں؟“

”ابنا بھاگ سرا ہو کہ منہ پھلا کر رہے جاتے ہیں۔ تم نے اپرا دھ تو
 اتنا بڑا کیا تھا کہ اسی رس میں پا جاتے تو منہ لال کر دیتے۔“
 ”تو تمہیں بھی بہت گالیاں دیتے ہوں گے؟“

”کبھی نہیں، بھول کے بھی نہیں! اماں تو پہلے بگڑی تھیں، پر دادا
 نے تو کبھی کچھ نہیں کہا۔ جب بلاتے ہیں تو بڑے پیار سے۔ میرا سر بھی دکھتا ہے
 تو بے چین ہو جاتے ہیں۔ اپنے باپ کو دیکھتے تو میں انہیں دیوتا سمجھتی ہوں۔“

اماں کو سمجھایا کرتے ہیں کہ بہو کو کچھ نہ کہنا۔ تمہارے اوپر سیکڑوں بار بگڑ چکے ہیں کہ اسے گھر میں بیٹھا کر آپ نہ جانے کہاں بھاگ گیا۔ آج کل پیسے پیسے کی تنگی، ادکھ کے روپے باہر ہی باہر اڑ گئے۔ اب تو مجوری (مزدوری) کرنی پڑتی ہے۔ آج بچائے کھیت میں کام کرتے کرتے بہوس ہو گئے۔ رونا پٹنا پچ گیا۔ تب سے پڑے ہیں۔“

گوبرنہ ہاتھ دھو کر اور بالوں کو خوب سنوار کر گانوں فتح کرنے نکلا۔ دونوں چچاؤں کے گھر جا کر رام رام“ کرایا۔ پھر اور دوستوں سے ملا۔ گانوں میں کوئی خاص تبدیلی نہ تھی۔ ہاں پیشوری کی نئی بیٹھک بن گئی تھی اور جھنگری سنگھ نے دروازے پر نیا کنواں کھدوایا تھا۔ گوبر کے دل میں مخالفت اور بھی خم ٹھونکنے لگی جس سے ملا اس نے اس کی خاطر کی اور نوجوانوں نے تو اسے اپنا ہیرو بنایا اور اس کے ساتھ لکھنؤ جانے کو تیار ہو گئے۔ سال ہی بھر میں وہ کیسا کیا ہو گیا تھا۔

دفترا جھنگری سنگھ اپنے کنوئیں پر نہاتے ہوئے مل گئے۔ گوبر نکلا لگا کر نہ سلام کیا نہ بولا۔ وہ ٹھاکر کو دکھا دینا چاہتا تھا کہ میں تمہیں کچھ نہیں سمجھتا۔ جھنگری سنگھ نے خود ہی پوچھا: کب آئے گوبر؟ مجھے (مزے) میں تو رہے؟ کہیں نوکر تھے لکھنؤ میں؟

گوبر نے رعوت سے کہا: لکھنؤ گلامی (غلامی) کرنے نہیں گیا تھا نوکری، تو تو گلامی۔ میں بیویا کر رہا تھا۔“

ٹھاکر نے تعجب سے اس کو سر سے پیر تک دیکھا: کتنا روج (روز) کھاتے تھے؟

گوبر نے پھری کو بھالایا کہ ان کے اوپر چلایا: یہی کوئی ڈھائی تین روپے

ل جاتے تھے۔ کبھی چمک گئی تو چار بھی ل گئے۔ اس سبب ہی نہیں " جھنگری بہت نوج کھوٹ کر کے بھی پچیس تیس سے زیادہ نہ کھا پاتے تھے اور یہ گنوار لونڈا سوروپے کمانے لگا۔ ان کا سر جھک گیا۔ اب وہ کس دعویٰ سے اس پر رعب جما سکتے ہیں؟ ذات میں وہ ضرور اونچے ہیں مگر ذات کون دیکھتا ہے؟ اس سے مقابلہ کرنے کا یہ وقت نہیں، اب تو اس کی منت ہی کر کے کچھ کام نکالا جاسکتا ہے بولے " اتنی کمائی کم نہیں ہو بیٹا، جو کھرج (خرج) کرتے بنے۔ گانوں میں تو تین آنے بھی نہیں ملتے۔ بھوآنی (ان کے بڑے لڑکے کا نام تھا) کو بھی کہیں کوئی کام دلا دے تو بیسج دوں۔ نہ پڑھے نہ لکھے، ایک نہ ایک جھگڑا کھڑا کئے رہتا ہے۔ کہیں نیبی خالی ہو تو کھانا نہیں تو ساتھ ہی لیتے جانا۔ تمھارا تو ساتھی ہی۔ طلب تھوڑی ہو، کچھ بات نہیں، ہاں چار پیسے کی ادپری گنجائش ہو۔ "

گوبر نے گھنڈ بھری ہنسی کے ساتھ کہا: یہی ادپری آمدنی کی چاٹ تو آدمی کو لگا رہتی ہی، ٹھاکر! پر ہم لوگوں کی عادت کچھ ایسی بگڑ گئی ہے کہ جب تک بے ایمانی نہ کریں، پیٹ ہی نہیں بھرتا۔ لکھنویں مینی ل سکتی ہے مگر ہر ایک مہاجن ایماندار اور جس آدمی چاہتا ہے۔ میں بھوآنی کو کسی کے گلے باندھ دوں پر پیچھے انھوں نے کہیں ہاتھ پکایا تو میری گردن پکڑے گا۔ دنیا میں علم کی پوچھ نہیں ہی، ایمان کی پوچھ ہی! "

یہ طمانچہ لگا کر گوبر آگے بڑھ گیا۔ جھنگری دل موس کر رہ گئی۔ لونڈا کتنے کھنڈ کی باتیں کرتا ہی جیسے دھرم کا اوتار ہی ہو۔ اسی طرح گوبر نے دانا دین کو بھی رگڑا۔ وہ کھانا کھانے جا رہی تھی۔ کہ گوبر کو دیکھ کر خوش ہو کر بولے تبے (مزے) میں تو رہے گوبر؟ سنا کہ

وہاں کوئی اچھی جگہ پا گئے ہو۔ نادین کو بھی کہیں جیلے سے لگا دو نا؟ بھنگ پی کر بڑے رہنے کے سوائے یہاں اور کون کام ہے؟“

گورنر نے بنایا: ”تمہارے گھر میں کس بات کی کمی ہو مہراج؟ جس جہان کو یہاں جا کر کھڑے ہو جاؤ، کچھ نہ کچھ مار ہی لاؤ گے۔ پیدا ہونے میں لو، مرنے میں لو، سادی (شادی) میں لو، لگی (غمی) میں لو، کھیتی کرتے ہو، لین دین کرتے ہو، دلالی کرتے ہو، کسی سے کچھ بھول چوک ہو جائے تو ڈانڈ باندھ لگا کر اس کا گھر لوٹ لیتے ہو، اتنی کمائی میں پیٹ نہیں بھرتا؟ کیا کرو گے بہت سادھن ہو کر؟ کہ ساتھ لے جانے کی کوئی جگت (تدبیر) نکالی ہو۔“

نادین نے دیکھا کہ گورکھتی ڈھٹائی سے بول رہا ہے، ادب لحاظ جیسے بالکل بھول سا گیا ہو۔ ابھی شاید نہیں جانتا کہ باپ میری مجوری کر رہا ہے۔ سچ ہے، چھوٹی ندی کو امنڈتے دیر نہیں لگتی۔ مگر جہرے پر کدورت نہ آنے دی۔ جیسے بڑے بوڑھے بچوں سے موصحیں اکھڑا کر بھی ہنستے ہیں، انھوں نے بھی اس طعنے کو ہنسی میں لیا اور ہنستے ہوئے کہا: ”لکھنؤ کی ہوا کھاکے تو بڑا چنٹ ہو گیا ہے گور! لا، کیا کما کے لایا ہے؟ کچھ نکال! پچ کہتا ہوں گور تمہاری یاد بہت آتی تھی۔ اب تو رہو گے کچھ دن؟“

”ہاں، ابھی تو رہوں گا کچھ دن، ان بچوں پر دعویٰ کرنا ہے جنھوں نے ڈنڈے کے بہانے میرے ڈنڈے سر دپے ہڑپ لئے ہیں۔ دیکھوں، کون میرا حکم (حقہ) پانی بند کرتا ہے اور کون برادری مجھے جات (ذات) باہر کرتی ہے؟ یہ دھمکی دے کر وہ آگے بڑھا۔ اس کی تمکنت نے اس کے نوجوان

عقیدت مندوں کو مرعوب کر دیا تھا۔

ایک نے کہا: ”کر دو دعویٰ گور بھٹیا! بڈھا کالا سانپ ہے، جس کے

لے کا مٹر نہیں۔ تم نے اچھی ڈانٹ بتائی۔ پٹواری کے کان بھی جڑا (ذرا) گرم کر دو
 اچھی بڑ۔ باپ بیٹے میں آگ لگا دے، بھائی بھائی میں آگ لگا دے۔ کارندے
 مل کر سامیوں کا گلا کاٹتا ہے۔ اپنے کھیت نیچے جو تو پہلے اس کے کھیت
 جوت دو۔ اپنی سنبھائی نیچے کرو، پہلے اس کی سنبھائی کر دو۔“

گوبر نے مونچھوں پر ہاتھ پھرتے ہوئے کہا: مجھ سے کیا کہتے ہو بھائی
 سال بھر میں بھول تھوڑے ہی گیا ہوں۔ یہاں کچھ رہنا ہی نہیں ہے، نہیں تو
 ایک ایک کو بچا کر چھوڑنا۔ اب کے ہولی دھوم دھام سے مناد اور ہولی کا
 سوانگ بنا کر ان سبوں کے خوب جھگو جھگو کر لگا دو۔“

ہولی کا پردہ گرم بننے لگا۔ خوب جھنگ گھٹے، دودھیا بھی اور رنگین
 بھی۔ اور رنگوں کے ساتھ کالکھ بھی بنے اور مکھیوں کے منہ پر کالکھ ہی پوتی
 جائے، ہولی میں بولی ہی کیا سکتا ہے؟ پھر سوانگ نیکلے اور بچوں کی خوب بھدکچاؤ
 روپے پیسے کی کوئی بردا نہیں، گوبر بھائی کما کر آئے ہیں۔

گوبر کھانا کھا کر بھولا سے ملنے چلا۔ جب تک اپنی جوڑی لاکر اپنے دروازے
 پر نہ باندھ دے، اسے چین نہیں۔ وہ لڑنے مرنے پر آمادہ تھا۔

پٹواری نے عاجزانہ لہجے میں کہا: جھگڑا مت بڑھاؤ بیٹا! پھر لاگوئیں
 لے گئے، بھگوان ان کا بھلا کرے! پر روپے تو آتے ہی تھے۔“

گوبر نے بھرک کر کہا: دادا، تم بیچ میں نہ بولیو، ان کی گائے پچاس
 کی تھی۔ ہماری جوڑی ڈیڑھ سو میں آئی تھی۔ تین سال ہم نے جوتی۔ پھر بھی سو
 کی تو تھی ہی۔ وہ اپنے روپے کے لئے دعویٰ کرتے، ڈگری کر آتے یا جو جاتے
 کرتے، ہمارے دروازے سے جوڑی کیوں کھول لے گئے؟ اور تمہیں کیا
 کہوں؟ ادھر گوتیں کھو بیٹھے اور ادھر ڈیڑھ سو روپے تاوان کے بھرے۔

یہ ہے سدھائی کا پھل! میرے سامنے جوڑی لے جاتے تو دیکھتا۔ تیزوں کو ہمیں دھرتی پر سلا دیتا اور بچوں سے تو بات تک نہ کرتا۔ دیکھتا کہ کون مجھے برادری سے الگ کئے دیتا ہی، مگر تم بیٹھے تاکتے رہی۔“

ہوڑی نے خطا دار کی طرح سر جھکا لیا مگر دھینا یہ زیادتی کیسے دیکھ سکتی تھی؟ بولی: بیٹا تم بھی تو اندھیر کرتے ہو۔ حکم پانی بند ہو جاتا تو گائوں میں بنا ہوتا؟ جوان لڑکی بیٹھی ہے، اس کا بھی کہیں ٹھکانا لگنا ہے کہ نہیں؟ مرنے جینے میں آدمی برادری.....“

گوبر نے بات کاٹی: حکم پانی سب تو تھا۔“ برادری آدر بھی تھا، پھر میرا بیہ کیوں نہیں ہوا؟ بلو۔ اس لئے کہ گھر میں روٹی نہ تھی۔ رہ پئے ہوں تو نہ حکم پانی کا کام ہے نہ بھائی برادری کا۔ دنیا پیسے کی ہے، اور کوئی کچھ نہیں پوچھتا۔“ دھینا تو بچے کا رد و ناسن کر اندر چلی گئی اور گوبر بھی گھر سے نکلا۔ ہوڑی بیٹھا سوچ رہا تھا کہ لڑکے کی سمجھ جیسے کھل گئی ہے۔ کیسی بے لاگ بات کہتا ہو اس کی اتنی سمجھ نے ہوڑی کے ایمان و اخلاق کو مغلوب کر دیا تھا۔

دفعتاً ہوڑی نے اس سے پوچھا: ”میں بھی چلوں؟“

”میں لڑائی کرنے نہیں جاتا، دادا! ڈرو نہیں۔ میری طرف تو کاؤن (قانون) ہی، میں کیوں لڑائی کرنے لگا؟“

”میں بھی چلوں تو کوئی ہرج ہرج ہے؟“

”ہاں بڑا ہرج ہی، تم بنی بات بگاڑ دو گے۔“

ہوڑی چپ ہو گیا اور گوبر چل دیا۔

پانچ منٹ بھی نہ ہوتے ہوں گے کہ دھینا بچے کو لئے ہوئے باہر نکلی اور بولی: ”کیا گوبر چلا گیا، اکیلے؟ میں کہتی ہوں کہ تمہیں بھگوان کبھی بدھی (سمجھ) دینگے